بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

از پروفیسر عبادت صاحب بریلوی - ایم - اے

یہ حقیقت ہے کہ ہماری گذشتہ چند سالوں کی تاریخ قدامت اور رجعت کے ایسے طوفانوں کی تاریخ ہے جنہوں نے معقولیت اور ترقی پسندی اور ترقی پذیری کی بنیادوں کو ہلا ہلا کر رکھ دیا ہے اور اس کے نتیجے میں جو تباہی آئی ہے، وہ آج ہم سب کے سامنے ہے۔ یہ ایک ایسا زخم ہے جس کا صدیوں تک مندمل ہونا مشکل ہے یہیں تک بات ختم ہو جاتی تب بھی غنیمت تھا لیکن افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ قدامت اور رجعت کی قوتیں جو اس تباہی کو لانے میں پیش پیش رہی ہیں ان کا زور دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اور وہ ایسے نئے نئے گل کھلا رہی ہیں جن کو دیکھ کر خود ہماری تہذیب حیران ہے۔ انسانیت انگشت بدنداں ہے اور عقل و خرد کے ہوش اڑ گئے ہیں۔

قدامت اور رجعت کی پھیلتی اور بڑھتی ہوئی قوتوں نے وطن عزیز کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک ہی دیس کے رہنے والے ایک رات میں ایک دوسرے کے لئے اجنبی بنا دئے گئے۔ جو قوتیں اس غیر فطری عمل کو روکنا چاہتی تھیں، اور جن کے نزدیک یہ جنت نشان کے پیچیدہ مسائل کا صحیح حل نہیں تھا، ان کی ایک نہ سنی گئی۔ ان کو طرح طرح سے ذلیل کیا گیا۔ ان کی پگڑیاں سر بازار اچھالی گئیں۔ اس بات کو مختلف انداز سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ ابن الوقت، غدار، جاہل اور نادان ہیں لیکن ان کے عزم و استقلال کی قوتیں ان طوفانوں سے برابر سرگرم ستیز رہیں، اور ایک لمحے کو بھی ان کی قوت ارادی کے قدم ڈگمگا نہ سکے۔ کیونکہ انھیں یقین تھا کہ وہ راہ حق پر گامزن ہیں۔ لیکن بڑا افسوس اس بات کا ہے کہ وطن

عزیز کی تقسیم کے بعد وہ لوگ جو کل تک ان کے دوش بدوش کام کرتے تھے جن کی تخیل کی سانس یک جان دو قالب ہو کر آسمانوں کے ستاروں کو چھونے کے منصوبے باندھا کرتی تھی، ان میں سے بعض بلکہ اکثر خود قدامت اور رجعت کے گڑھے میں جا گرے، اور اپنے ساتھیوں کو بے یار ومددگار چھوڑ دیا۔ یہ ہماری تاریخ کی سب سے بڑی ٹریجڈی ہے۔ اور اس پر جس قدر بھی آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ رجعت پسند قوتیں جو آج اپنے آپ کو پوری طرح بے نقاب کر کے نئے نئے گل کھلا رہی ہیں، وہ دوسرے روپ میں بہت پہلے سے موجود تھیں لیکن اب انھوں نے حالات کی بدلتی ہوئی کیفیت کا سہارا لے کر من مانی کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ ہم آج زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کی کارفرمائیاں دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس کی سب سے زیادہ افسوسناک اور تحیر خیز مثال ہمیں اس پالیسی کی صورت میں ملتی ہے جو زبان کے معاملے میں ان قوتوں نے اختیار کی ہے۔

یوپی کی حکومت نے اس سلسلے میں سب سے پہلے قدم اٹھایا ہے۔ وہ حکومت جو اپنی غیر جانبداری، بلند نگاہی اور کشادہ دلی میں ہمیشہ ہمیشہ پیش پیش رہی تھی آج اس نے سب سے پہلے فرقہ پرستی، تنگ نظری اور کم نگاہی کا ثبوت دیا ہے۔ اور کانگریس کے زریں اصولوں سے کھلے خزانے انحراف کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے کانگریس کی نہایت صریح اور واضح تجویزوں کو ٹھکرا دیا ہے۔ اس نے ہندوستان کے سب سے بڑے قائد اور رہنما مہاتما گاندھی کے احکامات سے چشم پوشی کی ہے یعنی یوپی کی موجودہ حکومت نے اپنے صوبے کی زبان کو ہندی قرار دیا ہے اور یہ بات لازمی کر دی گئی ہے کہ سوائے ناگری رسم الخط کے اور کوئی رسم الخط استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ گویا ناگری رسم الخط میں لکھی جانے والی نہایت سخت اور مشکل قسم کی ہندی اب یوپی کی سرکاری زبان ہے۔ اور اس کو عام کرنے میں آندھی کی سی تیزی سے کام لیا جا رہا ہے۔ چنانچہ چند مہینوں کے اندر یوپی میں ہر جگہ، ہر شعبے اور ہر محکمے میں سنسکرت آمیز ہندی کو ٹھونسنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کام کرنے والے بے شمار دقتوں اور پریشانیوں کے باوجود اس میں کام کرنے کے لئے مجبور کئے جا رہے ہیں۔ بیسویں صدی میں "نادر شاہی" احکامات کی یہ تنہا مثال ہے۔ عوامی حکومت کی مطلق العنانی کا نمونہ اس کے علاوہ

کہیں اور نہیں مل سکتا۔ جمہوریت کا دعویٰ کرنے کے باوجود تسلطائی ذہنیت کا یہ عجیب وغریب مظاہرہ ہے۔

حکومت یوپی کی اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر جگہ سنسکرت آمیز ہندی کا دور دورہ ہے ہر شعبے میں ہندی رائج کی جارہی ہے۔ حکومت کے کام جس حد تک ہو سکتے ہیں ہندی میں ہو رہے ہیں۔ عدالتوں میں ہندی ہو گئی ہے پولیس کے محکمے میں ہندی ہے۔ ریلوے اسٹیشنوں پر ہندی ہے، بازاروں میں ہندی ہے، درودیوار پر ہندی ہے۔ ہر شخص کے آس پاس، دائیں بائیں ہندی ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ لوگوں کی زبانوں پر ہندی نہیں ہے۔ جس زبان کو حکومت پوری قوت سے رائج کر رہی ہے جس کے لئے لاکھوں روپیہ پانی کی طرح بہایا جارہا ہے جس کو پھیلانے کے لئے سخت احکامات نافذ کئے جارہے ہیں، جس کی اشاعت کے لئے عوام کے مذہبی اور فرقہ پرستانہ جذبات سے کھیلا جارہا ہے، وہ عوام نہیں بولتے۔ کم از کم یوپی کے عوام نہیں بولتے۔ عوام کا کیا ذکر ہے، آپس کی بات چیت اور گفتگو میں ٹنڈن جی نہیں بولتے۔ پنت جی نہیں بولتے۔ سمپورنانند جی نہیں بولتے۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ وہ دعوے یہی کرتے ہیں کہ ان کی زبان یہی سنسکرت آمیز ہندی ہے۔ بالک ہٹ اور تریا ہٹ سنتے آئے تھے لیکن آج "ہندی ہٹ" سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ اور یہ ہٹ اب دن بدن زیادہ سے زیادہ بھیانک، خوفناک اور خطرناک صورت اختیار کرتی جارہی ہے جنت نشان کی تقسیم اسی طرح کی ہٹ اور ضد کے نتیجے میں عمل میں آئی۔ اور اس کے بعد میں تباہی اور بربادی کے جو طوفان آئے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ کون جانے کہ اس ضد اور ہٹ کے نتائج اس سے بھی زیادہ بھیانک خوفناک اور خطرناک ثابت ہوں۔

اگر لسانی اعتبار سے دیکھا جائے تو یوپی میں وہ یک جہتی پائی جاتی ہے جس پر وہ فخر کر سکتا ہے اس صوبے کے تمام لوگ اس ایک زبان کو بولتے اور سمجھتے ہیں جس کو مختلف زمانوں میں مختلف نام دیے جاتے رہے۔ کسی زمانے میں اس کو ہندی یا ہندوی کہا گیا کسی زمانے میں وہ ریختہ کے نام سے موسوم کی گئی۔ کسی زمانے میں اس کو اردوئے معلیٰ کہہ کر پکارا گیا اور آخر میں وہ صرف "اردو" رہ گئی۔ یہ زبان ایک زمانے تک کاروبار کے لئے استعمال کی جاتی رہی۔ حکومت سے اس کو کبھی بھی خاطر خواہ مدد نہ ملی۔ مغلوں کے یہاں سارا کام فارسی میں ہوتا تھا اس لئے اس کو وہ پوری طرح اپنا نہ سکے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ صرف عوام میں پھیلتی اور بڑھتی رہی۔ یہ زبان

فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی ہندو اور مسلمان سب اسی الخط کو استعمال کرتے تھے۔ برج بھاشا کا رسم الخط اس کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا۔ جب برج بھاشا نے اردو کی شکل اختیار کر لی تو رسم الخط فارسی ہی رہا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے فورٹ ولیم کالج میں اس زبان کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا تو ابتدا اسی سے ہوئی۔ کتابیں بھی اسی زبان میں تصنیف و تالیف ہوئیں۔ اس زمانے کے لکھنے والے بھی اس کے لئے ہندی، اردو، یا اردوئے معلیٰ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں؛ انگریزوں نے البتہ اس کو ہندوستانی کہا ہے فورٹ ولیم کالج اور اس کے ارباب حل و عقد نے جہاں ہماری زبان کو بہت سے فائدے پہنچائے وہاں ایک کاری زخم اس کے اوپر بھی ایسا لگایا جو آج تک مندمل نہیں ہو سکا ہے یہ اس خیال کا پرچار تھا کہ ہندو منشی اس عام مشترکہ زبان کو قدیم سنسکرت اور برج بھاشا کے رسم الخط میں بھی لکھیں کیونکہ فارسی رسم الخط ان کے لئے بدیسی ہے۔ للو جی لال نے اس کو شروع کیا۔ اور پھر اس تحریک کا بیج پھوٹ نکلا۔ ہماری زندگی کے احیائی رجحانات (..........) کے سلسلے میں اس نے پرورش پائی۔ اور زبان کا مسئلہ سیاست کے ساتھ الجھ گیا۔ یہ ہے موجودہ ہندی کی حقیقت! برج بھاشا اور اسی طرح کی دوسری زبانوں سے براہ راست اس کا سلسلہ نہیں ملایا جا سکتا۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ہندوستانی لسانیات سے کوئی واقفیت نہیں رکھتے۔

موجودہ ہندی حال کی پیداوار ہے۔ اور "بعض معاویہؓ" میں اس کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی ہے اور کی جا رہی ہے۔ لیکن ہمیں اس کے باوجود ہندی سے کوئی پرخاش نہیں۔ اگر بعض لوگ اس کے ارتقاء کو فطری سمجھتے ہیں تو اس کے پھیلانے اور بڑھانے کے لئے حالات پیدا کرنے چاہئیں۔ لیکن اس طرح کہ اس سے دوسرے نظریات کو ٹھیس نہ لگے۔ تمام زبانوں کو پھیلنے اور بڑھنے کا موقع ملنا ضروری ہے کم از کم ہندی کے علمبرداروں کو اس حقیقت سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ اردو اور ہندی ایک ہی زبان کی دو مختلف شکلیں ہیں۔

کانگریس نے انھیں تمام حالات کو سامنے رکھ کر اس بات کی کوشش کی تھی کہ اس آسان بولنے والی زبان کو ہندوستانی کا نام دے دیا جائے۔ تاکہ ایک بیچ کا راستہ نکل سکے چنانچہ اس سلسلے میں کانگریس کی یہ تجویز موجود ہے کہ ہندوستان کی قومی زبان وہ آسان بولنے والی زبان ہوگی جو شمالی ہندوستان میں بولی جاتی ہے۔ اس کا نام ہندوستانی ہوگا۔ وہ دونوں رسم الخط یعنی ناگری اور فارسی میں لکھی جائے گی۔ گاندھی جی مرتے دم تک اس کا علم بلند کرتے رہے۔ کیونکہ

ان کے خیال میں یہی نجات کا راستہ تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کی زندگی میں مرکزی حکومت اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔ آئندہ کیا ہوگا۔ کچھ پتہ نہیں۔ بات یہ ہے کہ گاندھی جی کی طرح حق گو، منصف مزاج۔ حقیقت پرست، اور صداقت پسند لوگ اب نہ ہونے کے برابر ہیں ان کی زندگی میں یہ گتھی بہت آسانی سے سلجھ سکتی تھی۔

مرکزی حکومت کا جو فیصلہ ہوگا، اس کا جواب تو مستقبل ہی دے گا لیکن آج یوپی کی حکومت نے ہندی کو سرکاری زبان قرار دینے کا جو فیصلہ کر دیا ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ مرکزی حکومت کے فیصلے سے قبل یہ پیش قدمی، اور وہ بھی کانگریس کے فیصلے کے صریحاً خلاف کچھ عجیب سی ضرور معلوم ہوتی ہے۔ کانگریس نے صاف صاف "ہندوستانی" کو قومی زبان تجویز کیا تھا لیکن یوپی کی حکومت نے اس سے انحراف کر کے سنسکرت آمیز ہندی کو یوپی کی زبان قرار دے دیا ہے۔ اور اس کو عام کرنے میں جس سرعت سے کام لیا جا رہا ہے۔ ہمارے تصور کی پرواز بھی اس کا ساتھ نہیں دے سکتی یہ جلدی صرف اردو کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے ہے اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا کی نیند سلا دینے کے لئے ہے۔ کیونکہ اردو یوپی کی حکومت کے خیال میں مسلمانوں کی زبان ہے۔ اور مسلمانوں کی زبان کو فنا کرنے کے لئے وہ کانگریس اور مہاتما گاندھی کی بات بھی سننے کے لئے تیار نہیں۔ ٹنڈن جی نے متعدد بار پبلک جلسوں میں کانگریس اور گاندھی جی کا مضحکہ اڑایا ہے انھوں نے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو کی فطرت میں تفرقہ پردازی ہے۔ اس کا وجود تسلیم نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ کانگریس میں شامل ہیں۔ وہ یوپی اسمبلی کے اسپیکر ہیں اور انھیں کانگریس پارٹی کا تعاون حاصل ہے ؎

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

کیا ہم کانگریس کے ارباب حل وعقد سے یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ جو فرد یا جماعت کانگریس میں ہوتے ہوئے بھی اس کے اصولوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرے اس سے بازپرس کرنے کا انھیں حق حاصل ہے یا نہیں؟

اردو کو ہم تو ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کا سب سے بڑا سرمایہ تصور کرتے ہیں ممکن ہے۔ بعضوں کے نزدیک وہ افتراق کے نتیجے میں صورت پذیر ہوئی ہو اور اس نے آپس میں تفرقہ پھیلایا بھی ہو۔ لیکن اس سلسلے میں اتنا عرض کرنا ضرور اپنا فرض سمجھتے ہیں اگر وہ باہمی میل جول کا نتیجہ نہیں ہے تو پھر اس میں "ہندی" اور فارسی کی آمیزش شیر و شکر کی طرح کیوں نظر آتی ہے؟

اس میں بعض ایسی کتابیں کیوں لکھی گئی ہیں جن میں فارسی اور عربی کا ایک لفظ بھی موجود نہیں ہے؟ (اس سلسلے میں سید انشا کی کتاب رانی کیتکی کی کہانی اور آرزو لکھنوی کی "سریلی بانسری" خاص طور پر قابل ذکر ہیں) ۔ اور اگر ہمیشہ سے تفرقہ اندازی اس کا کام رہا ہے تو اردو ادب میں وطنیت ہندو مسلم میل جول، کانگریس کی موافقت، وطن پرستوں کا ذکر، اور زندگی کے بنیادی مسائل کا تذکرہ اس قدر زیادہ کیوں ملتا ہے؟ مسلم لیگ اور پاکستان کی موافقت میں آج تک اس کے کسی معیاری شاعر اور ادیب نے کیوں کچھ نہیں لکھا؟ کیوں وہ سب کے سب اس کی مخالفت کرتے رہے؟ اور اس کے علمبرداروں میں پنڈت رتن ناتھ سرشار، پنڈت دیا شنکر نسیم، درگا سہائے سرور، برج نرائن چکبست، نوبت رائے نظر، جوالا پرشاد برق، بشن نرائن در، کشن پرشاد کول، سر تیج بہادر سپرو، مہاراج بہادر برق، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی، دیا نرائن نگم، کرشن چندر، اپندر ناتھ اشک، بشیشر پرشاد منور، رگھوپتی سہائے فراق، اور بے شمار دوسرے لکھنے والے کیوں پیدا ہوئے؟ ۔ اور آج بھی ایک اچھا خاصہ طبقہ کیوں سرگرداں ہے؟ ۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ افتراق کی نشانی نہیں میل جول کا نمونہ ہے سیاست کی وجہ سے پھیلتی ہوئی نفرت نے اس کو اس کے صحیح مرتبے سے گرادیا ہے، ورنہ وہ بقول سر تیج "اگر ہندوستان میں کوئی زبان ایسی ہے جو پشاور سے سی پی تک اور سی پی سے آگے صوبہ بمبئی کے بعض مقامات تک بولی اور سمجھی جاتی ہے تو وہ اردو اور صرف اردو ہے ۔ وہ لوگ صریح غلط بیانی سے کام لیتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے میں اس دعوے کو تسلیم کرنے سے صاف طور پر انکار کرتا ہوں ۔ اگر مسلمان یہ کہتے ہیں کہ اردو ان کی زبان ہے تو میں اس قول کو ماننے کے لئے تیار نہیں اس لئے کہ اردو ایک ایسی زبان ہے جس کے بنانے میں ہندو اور مسلمان دونوں نے برابر کی خدمات انجام دی ہیں"

لیکن یوپی کی حکومت اس کو صرف مسلمانوں کی زبان کہتی ہے ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اردو کے خلاف اپنے اس طرز عمل کو ہرگز روانہ رکھتی ۔ یوپی کی حکومت کو یہ کون سمجھائے کہ اردو اگر مسلمانوں کی زبان ہوتی تو بنگالی اور سندھی بھی اس کو سینہ سے لگاتے لیکن ایسا نہیں ہے بنگالی کے مسلمان علمبردار تو اس کی مخالفت میں اس قسم کی دلیلیں بھی پیش کرتے ہیں کہ اردو ایک ایسی زبان ہے جس کا ادب دہریت اور الحاد سے پٹا پڑا ہے ۔ یہ خیال کسی معمولی آدمی کا نہیں ہے بلکہ مشرقی بنگال کے ایک وزیر کا ہے جس کو انھوں نے بنگالی کے مقابلہ میں اردو کو کم مرتبہ ثابت کرنے کے سلسلے

میں پیش کیا ہے۔ لیکن بالفرض حکومت یوپی کے اس خیال کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے تو کیا ایک جمہوری حکومت کا دعوے دار ہونے کی حیثیت سے اس کا یہ فرض نہیں ہے کہ اقلیت کی زبان ہی کی حیثیت سے وہ اس کو اس کی جائز جگہ دے، ہر جمہوری حکومت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اقلیتوں کی تہذیب اور زبان کی حفاظت کرے اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو اس کو جمہوری حکومت کہا نہیں جا سکتا۔ لیکن یوپی کی حکومت جمہوریت کی علمبردار اور دعوے دار ہونے کے باوجود زبان کے معاملے میں جس وسطانی ذہنیت کا مظاہرہ کر رہی ہے اس کی مثال جمہوریت کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے

اردو اور اردو والوں کی چشم حسرت اس وقت کانگریس کے ارباب حل وعقد اور متحدہ قومیت کے ان صحیح، سچے اور پرخلوص علمبرداروں کی طرف دیکھ رہی ہے، اور زبانِ حال سے یہ کہہ رہی ہے کہ کیا وہ مہاتما جی کی خواہشوں، ان کے اصولوں، اور ان کی آرزوؤں اور تمناؤں کو اس طرح موت کے گھاٹ اترتا ہوا دیکھتے رہیں گے؟ کیا الٹی گنگا بہتی رہے گی اور انھیں احساس تک نہ ہوگا؟۔ کیا ایک منظم سازش کے جال کو وہ پھیلتا ہوا دیکھیں گے اور ان کے کان پر جوں تک نہ رینگے گی؟ کیا ایک نئے طوفان کی آمد کے لئے حالات پیدا کئے جاتے رہیں گے اور انھیں خیال تک نہ ہوگا؟۔ کیا وہ ان تمام ناسازگار حالات سے چشم پوشی کرتے رہیں گے؟۔ لیکن آخر کب تک؟ کیا وہ اس وقت توجہ کریں گے جب پانی سر سے اونچا ہو جائے گا، اور فضا میں یہ آواز گونجنے لگے گی ؎

آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا